Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق

ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 5, Issue 1
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

مصطفیٰ عباس

ریسرچ سکالر بین الاقوامی اسلامی یونیوسٹی اسلام آباد

ڈاکٹر ثمرہ ضمیر

وفاقی اردو یونیورسٹی اسلام آباد

پاکستان میں ادبی صحافت: رسائل و جرائد کی تاریخ

Mustafa Abbas
Research Scholar International Islamic University Islamabad
Dr.Samra Zameer
Federal Urdu University Islamabad

Literary journalism in Pakistan: A History of Magazines

Prior to the establishment of Pakistan, the centers of literary journals were Bambi, Lucknow, Hyderabad, Delhi, Lahore, and Bhopal. After independence, only one literary center came to Lahore in the part of Pakistan. Although Rawalpindi, Karachi, Multan, Peshawar had the status of big cities, and various magazines were also published from these cities, it is not possible to count any of them as epoch makers. Only magazines published from Lahore were nurturing the mentality of the people of Pakistan. However, after the creation of Pakistan, after being cut off from the literary center, there was a vacuum in the literary atmosphere of Pakistan. But the process of filling this gap stated and many magazines which were published from Lahore before independence were re-published.it can be concluded from the above discussion that the role of magazines published before independence is more in the continuity of literary journalism in Pakistan. Which promotes literary journalism in Pakistan. This article covers the history of literary journalism and magazines in Pakistan.

Keywords: independence , journalism, magazines, Lucknow

کلیدی الفاظ: نیرنگ خیال، اردوئے معلیٰ، ادبی رسائل، تراجم

قیام پاکستان سے قبل بیسویں صدی کی ادبی جریدہ نگاری کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نیرنگ خیال، نگار، زمانہ، دلگداز اور اردوئے معلیٰ جیسے نامور رسالوں کے مدیران تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ علوم نو سے آشنا بھی تھے۔ بلکہ وہ خود ادیب ہونے کے ناطے ادبی جریدہ نگاری ان سب کے لئے اظہار ادب کا وسیلہ تھا۔ تمام مدیران رسائل انہی رسالوں کے ذریعے عوام کی ادبی، تہذیبی اور ذہنی تربیت کرنا چاہتے تھے۔ اس دور کے ادبی رسائل نے فروغ زبان میں اہم کردار ادا کیا۔ نہ صرف یہی بلکہ تراجم کے ذریعے اردو زبان کے دامن کو مالا مال کیا۔ بیسویں صدی کے دوسرے اور تیسرے عشرے کے آغاز میں ہی نیرنگ خیال، ادبی دنیا، ہمایوں اور ادب لطیف جیسے نامور رسائل منظر عام پر آئے۔ چنانچہ نئے تجربات کے ساتھ ادب کو ارتقاء کے راستے پر گامزن رکھنے کا رجحان اس دور میں غالب نظر آتا ہے۔

درج بالا رسائل نے آزاد نظم کے ساتھ اردو افسانے کو خصوصی اہمیت دیا اور تنقید کے میدان میں تنقیدی مباحث کو دلائل کی روشنی میں حل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آزادی سے قبل کے ابتدائی سترہ سال کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے ہندوستان کا سیاسی حالات نہایت ہنگامی تھے۔ آزادی کی تحریکیں عروج پر ہونے کے ساتھ عالمی جنگ کے خطرات بھی منڈلا رہے تھے۔ اسی دوران چند تعلیم یافتہ نوجوان لندن سے ہندوستان میں داخل ہوتا ہے جس کی بنا پر ہندوستان کی سرزمین پر نئے تصورات کی داغ بیل پڑ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے اس دور میں حقیقت نگاری کا رجحان زیادہ عروج پر نظر آتا ہے۔ میراں جی، تصدق حسین اور ن۔ م راشدؔ نے جدید نظم کی تحریک کو انہی رسائل کے ذریعے فروغ دیا۔ ترقی پسند

رسائل نے ترقی پسندانہ سوچ کی حامل تخلیقات کو پیش کیں۔ لیکن چند کلاسیکی مزاج کے حامل رسائل نے ان دونوں رویوں کے خلاف شدید رد عمل دکھادیا۔ یہی وجہ ہے اس دور کے ادبی صحافت میں تصادم کی فضا بھی نظر آجاتی ہے۔ زمانہ تیزی سے بدل رہا تھا۔ رسائل کے قارین ملک کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ اس دور میں رسائل کو لوگوں کی ذہنی اور فکری رجحان کا نقیبِ انقلاب تصور کیا جاتا تھا۔ رسائل کی اسی کامیابی نے لوگوں کو متعدد رسائل جاری کرنے پر مائل کیا۔ اسی لئے ہر شہر سے رسائل شائع ہونے لگے۔ مولانا امداد صابری نے اس دور کے کم و بیش تین سو رسائل کا احوال اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ مگر ان میں سے اکثریت کی عمر مختصر ہے۔ ادبی سطح پر وہی رسائل زندہ رہے جن کی ادارت مولانا صلاح الدین، شاہد احمد دہلوی اور نیاز فتح پوری جیسے قابل لوگوں کے ہاتھ آئی۔ جو ادب کو نفع کا وسیلہ بنانے کی بجائے ادب کو فروغ ادب کے لئے قربانی دے سکتے تھے۔

قیام پاکستان سے قبل ادبی جرائد کے مراکز بمبی، لکھنو، حیدرآباد، دلی، لاہور اور بھوپال تھے۔ آزادی کے بعد پاکستان کے حصے میں صرف ایک ادبی مرکز لاہور آیا۔ اگرچہ راولپنڈی، کراچی، ملتان، پشاور کو بڑے شہروں کی حیثیت حاصل تھی اور ان شہروں سے مختلف رسائل بھی شائع ہوتے تھے لیکن ان میں سے کسی کو عہد ساز شمار کرنا ممکن نہیں۔ صرف لاہور سے شائع ہونے والے رسائل ہی پاکستان کے لوگوں کی ذہنی آبیاری کر رہے تھے۔ اگرچہ قیام پاکستان کے بعد ادبی مرکز سے کٹ جانے کے بعد پاکستان کے ادبی فضا میں خلا ضرور پیدا ہوا۔ لیکن اس خلا کو پر کرنے کا عمل شروع ہو گیا اور متعدد رسائل جو آزادی سے قبل لاہور سے چھپ رہے تھے دوبارہ شائع ہونے لگا۔ متذکرہ بالا گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں ادبی صحافت کو جو تسلسل حاصل ہوا، اس میں آزادی سے قبل شائع ہونے والے رسائل کا کردار زیادہ ہے۔ جو پاکستان میں ادبی جریدہ نگاری کو فروغ دینے میں پیش رو ثابت ہوئے۔ ان میں چند ایک کا تذکرہ یہاں ضروری سمجھتا ہوں۔

رسالہ اردو کراچی پاکستان کے ادبی صحافت میں ایک اہم پیش رو رسالہ ثابت ہوئے۔ یہ رسالہ جنوری ۱۹۲۱ء میں مولوی عبد الحق نے اورنگ آباد سے جاری کیا تھا۔ اس کا مقصد انجمن ترقی اردو ہند کے ایک اہم مقصد کی تکمیل کے ساتھ فروغ ادب تھا۔ مولوی صاحب خود اس بارے میں لکھتے ہیں:

"میں چاہتا ہوں کہ یہ رسالہ زبان و ادب کی ایسی مفید اور محققانہ بحثوں سے مالامال ہو۔ تاکہ شائقین ادب اسے غور سے پڑھیں اور اہل ملک کے ذوق پر اس کا اچھا اثر ہو"۔(1)

قیام پاکستان کے بعد مارچ ۱۹۴۸ء کو جب مولوی عبد الحق کراچی آئے تو انھوں نے انجمن ترقی اردو پاکستان کی بنیاد ڈالی۔ یوں جون ۱۹۴۸ء کو کراچی سے رسالہ اردو کے اٹھائیسویں جلد کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ اس پرچے کے مجلس ادارت میں فضل کریم، عندلیب شادانی، سید عبداللہ، شیخ محمد اکرام، ممتاز حسن وغیرہ شامل تھے۔ اس رسالے کا پاکستانی دور نہایت تابناک رہا۔ اس رسالے نے گمشدہ زبان و ادب کی خزینوں کے تلاش کے ساتھ شعراء کے نظریات اور فن کو علومِ نو کی روشنی میں پرکھ کر ان کے صحت مندانہ رائے قائم کی۔

رسالہ نگار مولانا نیاز فتح پوری کی ادارت میں جنوری ۱۹۲۲ء کو بھوپال سے جاری ہوا۔ اس رسالے کی اجراء سے پہلے مولانا صاحب مختلف اخبارات کو مختلف حیثیتوں میں قلمی معاونت فراہم کر چکے تھے۔ شعری ذوق پختہ ہونے کے ساتھ افسانے اور انشائے لطیف پر کامل دسترس تھا۔ اور ان کے حلقہ احباب میں اس دور کے نامور ادیبوں کا ایک گروہ شامل تھا۔ چنانچہ نگار کو ابتداء میں ہی ایثار صفت ادیبوں کے ساتھ تجربہ کار اور صاحب اسلوب مدیر میسر آیا۔ نگار نے اپنی اشاعت میں فکری معلوماتی موضوعات کو اہمیت دینے کے ساتھ شعر و نثر کو بھی اہمیت دیا۔ اس رسالے نے اردو کے رومانی تحریک کو فروغ دینے میں معاونت کی۔ ڈاکٹر انور سدید اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"نگار اپنے دور کا ایک اہم جریدہ تھا۔ بعض اوقات مطلوبہ معیار کے مضامین نہ ملتے تو مولانا نیاز خود سارا پرچہ لکھ ڈالتے۔ انہوں نے نگار کے پہلے شمارے میں ہی اس پرچے میں مدیر کی موجودگی کا احساس دلایا اور چندے بعد انہوں نے اس میں اظہار خیال کے لئے مختلف نوعیتوں کے کالم جاری کر دیے"۔(2)

قیام پاکستان کے بعد جولائی ۱۹۶۲ء میں جب نیاز پاکستان منتقل ہوگئے تو نگار کو پاکستان سے شائع کیا گیا اور اس کا نام نگارِ پاکستان رکھا۔ یہیں سے نگار کا پاکستانی دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں کچھ خاص نمبر بھی چھپے جن میں تذکرہ نمبر،، جدید شاعری نمبر، اصناف ادب نمبر اور نیاز نمبر سر فہرست ہیں۔ ان کی ترتیب و تدوین میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی محنت اور خلوص شامل ہے۔

نگار کا تیسرا دور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی ادارت میں شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں فرمان فتح پوری نے نگار کو نیاز کی کمی محسوس نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے برصغیر کے نامور لکھاریوں کے ساتھ اساتیذ فن کو بھی نگار میں جگہ دیا۔ جسے ادب میں نئے تصورات کے دروازے روشن ہوئے۔ ان لکھاریوں میں ڈاکٹر سید معین الرحمن، بلراج

کومل، صدیق الرحمن قدوائی، سجاد باقر رضوی، وقار احمد رضوی، سعادت نظیر وغیرہ شامل ہیں۔ فرمان فتح پوری کی ادارت میں نیاز نے کچھ خاص نمبر بھی شائع کئے جن میں مسائل ادب نمبر، اصناف شاعر نمبر، غالب نمبر، میر انیس نمبر وغیرہ معروف ہیں۔

یہ پرچہ ابتدائی دنوں میں رومانی تحریک کا معاون رسالہ تھا۔ لیکن ترقی پسند تحریک کے آتے ہی اشتراکی فکر کی پرچار میں بھی سرگرم حصہ لیا۔ نگار کا باطن روشن مگر ظاہر سادہ تھا۔ چنانچہ اسے ایک عہد ساز جریدہ شمار کیا گیا۔ جس لکھاریوں کے طبقے کو ہر دور میں متاثر کیا۔ اس پرچے کی روشنی اب بھی ادبی افق کو روشن کر رہی ہیں۔

ادبی رسائل کی دنیا میں نیرنگ خیال کو عصری مجتہد کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے مجلس ادارت میں حکیم یوسف حسن خان، ڈاکٹر تاثیر اور عبدالرحمن چغتائی شامل تھے۔ اس کا مقصد قوم کے فکر و نظر کو وسعت دینے کے ساتھ دنیائے ادب کے متنوع خیالات کو پیش کرنا تھا۔ نیرنگ خیال نے ابتدائی دنوں میں ہی امتیاز علی تاج، نیاز فتح پوری، علامہ اقبال، حشر کاشمیری، حفیظ جالندھری، فانی بدایونی، علم الدین سالک جیسے ادباء اور شعراء سے تخلیقات حاصل کیں۔ جس سے اس کی شہرت چار دانگ پھیل گئی۔ نیرنگ خیال کی ایک اور اہم کاوش اس کے خاص نمبر تھے۔ اس خاص نمبر کے ذریعے نظریاتی مضامین لکھنے والے لکھاریوں کا حلقہ اثر پیدا کیا۔ نیرنگ خیال نے خاص نمبر کے علاوہ موضوعاتی نمبر بھی شائع کیے۔ جن میں مصر نمبر، فلم نمبر، رام نمبر، ایڈیٹر نمبر، افغانستان نمبر، افسانہ نمبر اور اقبال نمبر سرفہرست ہیں۔ نیرنگ خیال اپنے دور کا ایک بے حد فعال رسالہ تھا۔ معاشرے میں ادب کو محرک رکھنے اور ادبی ہنگاموں میں پیش پیش رہنے میں ہر ممکن کوشش کیں۔

چونکہ نیرنگ خیال کے قارئین ملک کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ اور آزادی کے بعد قارئین کی بڑی تعداد ہندوستان میں رہ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا ۱۹۴۷ء کے بعد جب نیرنگ خیال نے دنیائے اسلام نمبر شائع کیا تو اس پرچے کی کاپیاں سرحد پار نہ جاسکے یوں رسالے کو ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑا۔ یوسف حسن خان نے اس خسارے کو کم کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن زمانہ تیزی سے بدل رہا تھا اور نیرنگ خیال کا دور عروج ختم ہو چکا تھا۔ رسالے کی ادبی حکمت عملی نئے دور کے ادبی تقاضوں سے پیچھے رہ گئی تھی۔ شاہد احمد دہلوی کے بقول: "نیرنگ خیال کا پہلا دور جتنا درخشاں تھا دوسرا دور اتنا ہی ضعیف اور مردہ تھا"۔(3)

نیرنگ خیال کے ادبی ماحول سازگار نہ ہونے کی وجہ سے یوسف حسن خان نے اسے راولپنڈی منتقل کیا اور نومبر ۱۹۷۶ء کو ڈیکلریشن سلطان رشک کے نام منتقل کیا۔ نیرنگ خیال کا تیسرا دور شروع ہوتے ہی سلطان رشک نے نیرنگ خیال کو تازہ خون دے کر جوان کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ مالی اعتبار سے مضبوط کیا اور ادبی حوالے سے نئی روایت قائم کر کے ماہ نامے کی اشاعت، خاص نمبروں اور سالناموں کی روایت کو دوبارہ زندہ کیا۔ نہ صرف یہی بلکہ تمام اصناف ادب کے الگ الگ ابواب قائم کیا گیا۔ سلطان رشک کی انہی کاوشوں کی وجہ سے حکیم یوسف حسن نے تشفی کا اظہار کیا اور لکھا:

"سلطان رشک نے اس عرصے میں نیرنگ خیال کی ساکھ اور شہرت کو برقرار رکھنے کی قابل قدر کوشش کی۔ ان کے ساتھ چند سالوں کی خوشگوار معاونت ہمارے لئے اطمینان کا باعث ہے"۔(4)

نیرنگ خیال کا آزادی کے بعد کی کارکردگی کا اگر جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے آزادی کے بعد وہ تمام سہولیات میسر نہ آسکیں جو آزادی سے قبل حاصل تھیں۔ وقت اور حالات کے ساتھ قارئیں کا مزاج بھی تبدیل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے قارئین کی تعداد میں کمی آگئی۔ یہی وجہ ہے کچھ عرصے تک اس پرچے کو محض ضابطے کی کاروائی پورا کرنے کے لئے ہی شائع کیا جاتا رہا۔ اگرچہ سلطان رشک نے نیرنگ خیال کو نئے عزم سے چلانے کی بھرپور کوشش کی لیکن سے غیر معمولی بنانے کے لئے وہ تمام سہولیتں میسر نہ آسکیں جو ستاروں سے آگے کی جہانوں میں تھی۔

رسالہ ادبی دنیا کا آغاز ۱۹۲۹ء میں مولانا تاجور نجیب آبادی نے کی تھی۔ آغاز میں ہی مختلف موضوعات پر مضامین پیش کرنے کی سعی کی۔ بہت جلد وحید الدین سلیم، جوش ملیح آبادی، خواجہ حسن نظامی اور فراق گھورکھپوری جیسے ادیبوں کی توجہ حاصل کی۔ شیخ عبدلقادر کی سرپرستی اس پرچے کو ابتدا سے ہی حاصل تھی۔ اسی لئے اہل ادب نے جہان ادب کا درخشندہ ستارہ تسلیم کرنے کے ساتھ مخزن کا ہم پلہ بھی جانا۔

مارچ ۱۹۳۲ء میں ادبی دنیا کو مولانا صاحب نے مولانا صلاح الدین احمد کے ہاتھوں فروخت کیا۔ یوں منصور احمد کو مدیر مقرر کیا۔ اس دور میں مدیر رسالہ نے تخلیقی صنف کے علاوہ مغرب کے نظموں اور افسانوں کے تراجم پر خصوصی توجہ دی گئی۔ ادبی دنیا کے تیسرے دور میں مولانا صاحب کے میراں جی شریک مدیر بنے۔ یوں کلاسیکی مزاج کے ساتھ جدیدیت کی لہر کو بھی اس پرچے نے روشناس کرایا۔ میراں جی کی فعال ذہنیت نے اردو نظم اور نثر دونوں کو متاثر کیا۔ جس کی وجہ سے حلقہ ارباب ذوق کے اشاعتی معاون کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی۔ اسی دور میں اردو کے جدید افسانہ نگاروں بلونت سنگھ، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی وغیرہ کی تربیت کی اور تنقید میں کشادہ نظری کی

فضا کو استوار کیا۔ مجموعی طور پر ادبی دنیا کا یہ دور زیادہ فعال نظر آتا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں مولانا صلاح الدین احمد کا گھر اور کتب خانہ جلا دئے گئے۔ یوں ۱۶ ماہ کے تعطل کے بعد دسمبر ۱۹۴۸ء کو رسالہ دوبارہ جاری کر دیا گیا مگر اس بار رسالے کی ضخامت دوگنی کر دی گئی۔ لیکن ضخیم پرچہ چھاپنے کی یہ کاوش کامیاب نہ ہو سکی یوں اکتوبر ۱۹۵۰ء میں ادبی دنیا نے دوبارہ اپنی پرانی صورت اختیار کی۔ ۱۹۵۹ء میں جب ڈاکٹر وزیر آغا ادبی دنیا کے شریک مدیر کے طور پر جب منظر عام پر آئے۔ یہیں سے اس پرچے کے پانچویں دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دور میں مولانا صاحب کو احساس ہو گیا تھا کہ اردو افسانے کا دور ختم ہو رہا ہے۔ چنانچہ فکری اور نظری موضوعات کے ساتھ زندہ مضامین پر مباحث کے شمولیت کو اہم جانا۔ وزیر آغا حصہ نظم کا مدیر تھا انھوں نے جدید نظم کو پروان چڑھانے میں بھرپور کوششیں کیں۔ اسی ضمن میں مجید امجد، قاضی سلیم، کمار پاشی عزیز تمنائی، شکیب جلالی جیسے متعدد شعراء کو متعارف کرایا۔ بہر حال پاکستان میں ادبی صحافت کی تاریخ میں اس پرچے کی خدمات کو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

۱۹۳۰ء کے اوائل میں شاہد احمد دہلوی نے ماہنامہ ساقی کا دہلی سے اجراء کیا۔ اس رسالے کا اولین مقصد زبان و ادب کی ترویج کے ساتھ شعرا و ادباء کی ادبی معائب اور محاسن کا بیان اور اشاعت و تحسین کو فروغ دینا تھا۔ مدیر رسالہ کی حیثیت سے شاہد احمد دہلوی نے فروغ ادب کو کشادہ نظری سے ہمکنار کیا۔ ادب میں نئے تجربات کو بلا تعصب فروغ پانے کا موقعہ دیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک آزاد ہوا تو ساقی بھی کراچی منتقل ہو گیا۔ یوں اس کا پہلا پرچہ ستمبر ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد ساقی کی پرانی روایت کو شاہد احمد دہلوی نے برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ اپنے خاندان والوں کے پیٹ کاٹ کر ساقی کو مالی معاونت بھی فراہم کرتا رہا۔ لیکن بہت جلد شاہد احمد دہلوی کی صحت نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یوں ۲۷ مئی ۱۹۶۷ء کو عدم کی طرف کوچ کر گئے۔ ان کی وفات کے بعد رسالے کی ادارت ان کی بیگم نے سنبھالی لیکن کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اس طرح ساقی کی آخری کاوش شاہد احمد دہلوی نمبر ہے جو ڈاکٹر جمیل جالبی نے مرتب کی تھی۔

ماہنامہ ساقی نے ابتدائی ۱۷ سال ہندوستان اور باقی ۲۳ سال پاکستان میں گزارے۔ لیکن ساقی کا پاکستانی دور نامساعد حالات سے دوچار رہی۔ شاہد احمد دہلوی رسالے کو تازہ خون دینے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ ساقی نے خاص نمبروں کی اشاعت کے ساتھ مغربی ادب کو بھی اردو میں منتقل کرنے کی روائت کو قائم رکھا۔ ساقی نے اپنے کردار سے حسن عسکری اور جمیل جالبی جیسے ادیبوں کو لکھنے پر امادہ کیا۔ شخصیت نگاری اور خاکہ نگاری کو بھی اہمیت دی گئی۔ یہی وجہ ہے اپنے ہم عصر پرچوں میں مقبول عام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ یوں مجموعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ساقی کے ایثار صفت ادیبوں نے نے ساقی کو ایسے مضامین، نظم اور نثر کا مخزن بنا دیا جس کی روشنی سے حال کا ادب مستفید ہو رہا ہے۔

رسالہ ادب لطیف کا اجراء چوہدری برکت علی نے ۱۹۳۶ء میں لاہور سے کیا تھا۔ تدوین و ترتیب کا کام مرزا ادیب کے سپرد کیا یوں اس رسالے کو آغاز میں ہی علمی و ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ مرزا ادیب نے اس دور کے اہم رسالوں کے طرز پر ادب لطیف کو شاہکار بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ چنانچہ بہت جلد مرزا ادیب نے اس رسالے میں صحرا نورد کے خطوط کا سلسلہ شروع کیا۔ جو اس دور کے حریت پسندوں کی علامت تھا۔ مرزا ادیب کی مخلصانہ کوششوں نے ادب لطیف کو ابتدا میں معروف بنا دیا تھا۔ ۱۹۴۱ء میں مرزا ادیب نے ادب لطیف سے علحیدگی اختیار کی یوں ادب لطیف کا ایک دور یہیں مکمل ہوتا ہے۔ ادب لطیف کا دوسرا دور ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۹ء تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ دور چونکہ تغیرات کا زمانہ تھا اس لئے چودھری رحمت علی نے ادب لطیف کا رشتہ ترقی پسند تحریک کے ساتھ جوڑ دیا۔ یوں اس دور کے نامور ادباء فیضؔ، بیدی، فکر تونسوی، قتیلؔ شفائی، احمد ندیمؔ قاسمی اور عارف عبدالمتیں جیسے لوگوں کی ادارت میں یہ پرچہ شائع ہوتا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد اس پرچے نے کلاسیکی شعراء کی دریافت نئے معماران ادب کے ساتھ متعدد لکھاریوں کو متعارف و ممتاز ہونے کا موقعہ فراہم کیا۔ ادب لطیف کا چوتھا دور ۱۹۶۲ء میں انتظار حسین کی ادارت میں شروع ہوا۔ انتظار حسین نے ادب لطیف میں نئے مباحث کی طرح ڈالی گئی۔ تجریدی، علامتی افسانہ، فرانسیسی ابہام پسندوں کے نظریات کو خصوصی طور پر شائع کیا۔ ہر ادیب کو بولنے کا حق دیا گیا جس سے ہر ایک نے فائدہ اٹھایا۔ کردار شکن جملوں کا استعمال بھی کیا گیا مگر یہ آزاد خیالی جولائی ۱۹۶۵ء میں آکر ختم ہو گیا۔

ادب لطیف کا شمار ان رسالوں میں ہوتا ہے جس نے نصف عرصے تک زمانے کا ساتھ دیا اور ادب کی بیشتر تحریکوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی۔

رسالہ سویرا ۱۹۴۶ء میں چودھری نذیر احمد نے جاری کیا تھا۔ جس کے مرتبین میں فکر تونسوی، احمد ندیمؔ قاسمی اور نذیر احمد کے نام شامل ہیں۔ تاریخ صحافت میں افتخار کھوکھر نے چودھری نذیر احمد کے الفاظ کو یوں بیان کیا ہے:

"میں اسے فنکاروں کے جدید تجربوں اور اشاعتی محاسن کی جدید ترین قدروں کا وہ یادگار اور مثالی پیکر بنا دوں گا جس کے نقوش ایک مدت تک سرمایہ دارانہ دباو نے میرے ذہن کے نہاں خانوں میں بھینچ رکھے تھے"۔ (۵)

سویرا کا ایک اور دور آزادی کے بعد شروع ہوتا ہے۔اس دور میں سویرا نے ترقی پسند نظریات سے اثرات قبول کر کے کئی نظمیں شایع کیں۔یوں حکومت نے پابندی لگا کر چھ ماہ کے لئے بند کر دیا گیا اور ناشر سے تین ہزار ضمانت وصول کر لی گئی۔ سویرا نے جہاں ادب کے علاوہ موسیقی،سنگ تراشی، مصوری اور دیگر فنون لطیفہ کو نمایندگی دی وہاں مغربی ادب کے تراجم بھی پیش کیے۔اس دور کے لکھاریوں میں حسن عسکری، ممتاز شیریں، وحید قریشی، وقار عظیم، انتظار حسین، ممتاز شیریں، مسعود مفتی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

سویرا اگرچہ اپنی زندگی میں ادارتی تغیرات کی زد میں رہا لیکن اشاعتی اعتبار سے تسلسل نصیب نہیں ہوا۔تاہم اردو ادب کو اس پرچے نے کئی زاویوں سے متاثر کیا۔اگرچہ ابتدا میں مدیران نے اس پرچے کو ازاد پرچہ بنانے کا عہد کیا تھا مگر آزادی کے بعد ترقی پسند روش کو اپنانے کی وجہ سے انتہا پسندی کا شکار ہوا۔ مگر تمام تر مشکلات کے باوجود اس رسالے نے جدیت کے ساتھ ادب میں مغربی علوم سے استفادہ کرنے کی طرح ڈالی گئی۔یہی وجہ ہے اردو ادب کو آزادی کے بعد جن ادبی رسائل نے متاثر کیا تھا ان میں سویرا بھی ایک اہم نام کے طور پر شامل کیا جاتا ہے۔اس پرچے کی غیر معمولی خدمات کو ادبی صحافت کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جاے گی۔

آزادی کے بعد پاکستان کے ادبی افق پر یکے بعد دیگرے کئی ادبی رسائل نمودار ہوتے رہے۔ان میں ہفت روزہ چٹان لاہور کو اولیت حاصل ہے۔ہفت روزہ چٹان لاہور سے شورش کاشمیری نے ۱۹۴۸ء میں جاری کیا تھا۔چونکہ شورش کاشمیری ردعمل کے ادیب تھے۔اس لئے اشتراکی نظریات اور ترقی پسند تحریک کے سخت مخالف تھے۔یہی وجہ ہے چٹان کے صفحات پر خالص ادب شائع ہوتے رہے۔اپریل کے مہینے میں ہر سال اقبال نمبر اس کی خاص اشاعت تھی۔شورش کاشمیری خود فکر اقبال سے متاثر تھا چنانچہ افکار اقبال کی ترویج کے لئے کئی مضامین لکھے۔اسی لئے چٹان میں اقبالیات کے کئی ذخائر موجود ہیں

شورش کاشمیری کی وفات کے بعد چٹان کو ان کے صاحب زادے مرتب کرتے رہے۔انہوں نے اپنے والد کی روایت کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مجموعی اعتبار سے اس پرچے کی ادبی خدمات قابل فخر ہیں۔اس رسالے نے ارتجال نگاری کے علاوہ فی البدیہہ گوئی، خاکہ نگاری اور آپ بیتی کی صنف کو پروان چڑھایا۔

۱۹۴۸ء کو اردو کے بے مثال جریدہ نقوش نے اپنی سفر کا آغاز لاہور سے کیا۔اس کے بانی محمد طفیل تھے۔اس رسالے کے بارے عارف قریشی لکھتے ہیں:

"نقوش کے پہلے شمارے کی پیشانی پر لکھا تھا"زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا ترجمان"(٦)

نقوش کا پہلا دور ابتدائی دس شماروں پر مشتمل ہے۔اس دور کے مضامین میں ادیب حب الوطنی اور وفاداری، یاخدا، یہاں ڈالر اگتے ہیں، اردو ادب کی ترقی پسند تحریک وغیرہ اہم ہیں۔اسی دور میں کچھ خاص نمبر بھی شائع ہوئے جن میں جشن آزادی نمبر، اردو نثر نمبر، اردو فلم نمبر وغیرہ اہم ہیں۔ نقوش کا دوسرا دور سید وقار عظیم کی ادارت میں شروع ہوا۔وقار عظیم نے سیاست کی گرم بازاری کو دور رکھ کر نقوش کا رشتہ زندگی کے ساتھ جوڑا۔ڈاکٹر انور سدید نقوش کا نیا نقطہ نظر یہ یوں لکھتے ہیں:

"ادب کے سرچشمے زندگی ہی سے پھوٹتے ہیں زندگی سے بے تعلق ہو کر ادب بے معنی ہے، لیکن ادب کو زندگی کی مصوری اور ترجمانی کرتے وقت روائتی اور فنی لطافتوں سے بے نیاز نہیں ہونا چاہیے۔نقوش ماضی کے نقوش اور حال کا امین ہونا چاہیے"(۷)

نقوش کا طویل اور تیسرا دور اس کے بانی محمد طفیل کی ادارت میں شروع ہوتا ہے۔انھوں نے اپنے علمی ریاضت اور قوت استعداد سے اس پرچے کا گراف علمی و ادبی حلقوں میں کافی بلند کیا۔ نقوش نے اپنے صفحات پر ان تمام ادبی تخلیقات کو جگہ دی جن کو چھاپنے سے باقی رسالے گریز کیا کرتے تھے۔جن میں تنقیدی شہ پارے، تحقیقی نوادرات، جواہر پارے وغیرہ اہم ہیں۔ نقوش کی ایک اور اہم کاوش یہ ہے کہ اس پرچے نے اردو ادب کے بے شمار لکھاریوں کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔جن میں اختر جمال، جیلانی بانو، بشریٰ رحمٰن، بانو قدسیہ، رتن سنگھ، حفیظ صدیقی، باقر رضوی، امر سنگھ، مجید شاہد، نوید انجم، بشیر بدر وغیرہ شامل ہیں۔ادبی صحافت میں سالنامے چھاپنے کی روایت آزادی سے قبل سے موجود تھی لیکن آزادی کے بعد نقوش نے سالنامے کی اشاعت کا جو خصوصی اہتمام کیا وہ قابل قدر ہے۔ محمد طفیل نے نقوش کی ماہانہ حیثیت کو کم کر کے ایک کتابی شکل دے دی تھی جو وقفے وقفے سے شائع ہوتے اور قارئین کی ذوق تسکین کی باعث بنتے۔ نقوش نے سالنامے اور افسانے نمبر چھاپنے کے بعد ۱۹۵۶ء میں کچھ خاص نمبروں کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔جن میں غزل نمبر، پطرس نمبر، خطوط نمبر، غالب نمبر، شخصیات نمبر، منٹو نمبر، طنز و مزاح نمبر، اقبال نمبر، وغیرہ اہم ہیں۔

نقوش کی اک اور انفرادیت یہ ہے کہ اس نے اپنے مدیر کی ادبی تربیت بھی کی۔ محمد طفیل کو نقوش نے پہلے بحیثیت اداریہ نگار متعارف کرایا پھر محمد طفیل کی شخصیت میں خاکہ نگاری کی صلاحیتوں کا کھوج لگایا۔اب وہ ادبی دنیا میں واحد خاکہ نگار ہے جس نے خاکہ نگاری پر سب سے زیادہ کتابیں تحریر کیں۔

۱۹۸۶ء میں محمد طفیل کی وفات کے بعد نقوش کی ادارت کی ذمہ داری جاوید طفیل کے کندھوں پر آن پڑی۔انھوں نے اپنی بساط سے اس پرچے کی سابقہ روایت کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔توقع کی جاسکتی ہے جاوید صاحب کی سربراہی میں یہ رسالہ سابقہ افتخار کو نہ صرف برقرار رکھے گا بلکہ ارتقا کی اگلی منزلیں بھی طے کرے گا۔

استقلال لاہور کو پنجاب حکومت نے حکومتی سرگرمیوں کی تشہیر و نمائش کے لے اجراء کیا۔اس کے ابتدائی پرچوں میں ممتاز مفتی، حسن عسکری، ہاجرہ مسرور، قیوم نظر، قتیل شفائی، احمد ندیم قاسمی، منٹو، عارف عبدالمتین وغیرہ کے مضامین اور نظموں، غزلوں کو جگہ دیا۔استقلال سرکاری پرچہ ہونے کی وجہ سے ادیبوں کو ان کی تخلیقات کا معاوضہ بھی دیا جاتا تھا۔اس لئے بڑے بڑے ادیب اس کی اوڑ کھنچے چلے آئے۔

بہت جلد استقلال پر حکومتی ضرورتیں اور حکمتیں غالب آنے لگیں جس کی وجہ سے وہ اپنا سابقہ معیار برقرار نہ رکھ سکا۔کچھ عرصہ عبدالصمد کے ادارت میں شائع ہوتا رہا مگر ان سے بھی نہ چلا تو بند کر دیا گیا۔استقلال سرکاری کاموں کی تقاضوں کی تکمیل کے لے میدان عمل میں آیا تھا۔اس لئے اس پرچے کی نہ اغراض و مقاصد کی توضیح کی گئی نہ مدیر کا نام دیا گیا۔لیکن اہل ادب جانتے تھے کہ اس پرچے کی ادارت ممتاز مفتی کرتے تھے۔شائید اسی لئے استقلال کا ادبی زاویہ روشن تھا۔استقلال ایک ہفتہ وار پرچہ ہونے کی وجہ سے سرکاری مقاصد کی تکمیل کے علاوہ ادب کی خدمت بھی کی لیکن سرکاری پرچہ ہونا ہی اس کی کمزوری ثابت ہوا۔

جنوری ۱۹۵۵ء میں کتابی دنیا کو ماہنامے کی صورت میں ضیاالدین برنی نے کراچی سے جاری کیا۔اس پرچے میں کتابی دنیا کی ہمہ اقسام کی سرگرمیاں پیش کی جاتی تھیں۔لیکن زیادہ اہمیت مختلف کتابوں پر تبصروں اور تازہ رسائل کے مضامین کو ملتی تھی۔کبھی کبھی ادبی مضامین کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔ولی پر کمال کبریا کا مضمون، کچھ کتابوں کے بارے میں، انشائیہ، ذرا سوچیے تو، وغیرہ اسی پرچے میں شائع ہوئے تھے۔کتابی دنیا کی نوعیت تکنیکی تھی تاہم اس نے اردو ادب اور تعارف کتب میں اپنی خدمات مناسب انداز میں سرانجام دیں۔اور یہ ایسی خدمت تھی جو دوسرے ادبی رسائل میں جزوی حیثیت رکھتی تھی۔

انشاء کراچی کا اجراء جنوری ۱۹۵۶ء میں عمل میں آیا۔یہ پرچہ ادارہ ذہن جدید کا ترجمان تھا۔اور اس کے مدیر جون ایلیا تھے۔انشاء نے افسانہ، غزل، نظم کی صنف کو زیادہ اہمیت دی۔لیکن اس کا اصل مقصد نئی فکر کو پروان چڑھانا تھا۔اسی لئے اس دور میں ابھرنے والے سوالات کو انشاء نے زیادہ موضوع بنایا۔

انشاء میں اداریہ کو انشائیہ کے عنوان سے پیش کیا جاتا تھا۔یہ ایک رعایت لفظی تھی جسے مناسب چین نہیں مل سکا۔انشاء ایک مقبول عام پرچہ تھا اس کی جہت علمی تھی۔لیکن کچھ عرصے کے بعد اس کی شکل و صورت میں تبدیلی ہوئی اور اسے ڈائجسٹ بنا دیا گیا۔اس کے مدار تحریر میں مذاہب عالم، سفر نامہ شکار، معلومات عامہ۔فلم، لطائف، اور افسانوں کو شامل کر لیا گیا۔جس کی وجہ سے اس کی ادبی جہت دب گئی۔یوں ۱۹۶۵ء کے لگ بھگ یہ عالمی ڈائجسٹ کی صورت میں نکلنے لگا اور اب بھی اسی نام سے معروف ہے۔

جنوری ۱۹۶۱ء کو اردو اکیڈمی بہاولپور کے زیر اہتمام یہ رسالہ جاری کر دیا۔اس کی ادارت علامہ شبیر بخاری نے کی۔لیکن کچھ عرصے بعد مسعود حسن شہاب مدیر بنے۔شہاب صاحب نے زبیر کو خصوصی موضوعات کا پرچہ بنایا۔اور کئی ایسے موضوعات پر مواد فراہم کیا جس پر پہلے کبھی کام نہیں ہوا تھا۔اس پرچے نے کچھ خاص موضوعات پر خصوصی نمبروں کی اشاعت کا اہتمام بھی کیا۔جن میں آپ بیتی نمبر، چولستان نمبر، تنقید نمبر، سفر نامہ نمبر، بہاولپور نمبر وغیرہ اہم ہیں۔

زبیر اگرچہ تحقیقی مزاج کا پرچہ تھا لیکن موضوعاتی تنقید کے مضامین کو بھی نمایاں جگہ دی گئی۔البتہ تخلیقی اصناف کی طرف کم توجہ دی گئی۔الزبیر نے ادبی صفحات پر کچھ ایسے مضامن کو بھی جگہ دی گئی جس کی صدا دور دور تک سنائی گئی۔ان میں عبدالمجید قریشی کا ذکر علی گڑھ، اور یاران علی گڑھ، صادق مصور کا مقالہ ادب عالیہ میں موضوع اور اظہار کا تصور، نور محمد علوی کا فارسی میں گھوڑے کی مذمت، سید قدرت نقوی کا لسانی اثرات وغیرہ اہم ہیں۔بہر حال بہاولپور کو ادب کا مرکزی مقام عطا کرنے میں الزبیر کی خدمات نمایاں ہیں۔

اردو کا عہد ساز رسالہ فنون ۱۹۶۳ء کے اوائل میں حبیب اشعر اور احمد ندیم قاسمی کی ادارت میں لاہور سے جاری ہوا۔اس پرچے کی سب سے بڑی کاوش یہ تھی کہ یہ صرف ادب کے لئے مخصوص نہیں تھا بلکہ دیگر فنون لطیفہ مثلاً خطاطی، موسیقی، مصوری، فوٹو گرافی، کو بھی اپنے دائرہ اشاعت میں جگہ دیا۔فنون کے پہلے پرچے میں عصمت چغتائی کی بھیڑیں، بیدی کا افسانہ جو گیا، اول درجے کے افسانے کے طور پر سامنے آئے۔خالد اختر کا کاغانی مہم بھی اسی پرچے کی زینت بنا۔اسی طرح فیض، جوش، وزیر آغا، احمد بخاری، اختر انصاری وغیرہ نے اپنی تخلیقات کے ساتھ فنون کو چار چاند لگا دیے۔ڈاکٹر عبداللہ کا فنون کے بارے میں تاثرات کو گوپچن چندن نے یوں قلمبند کیا ہے:

"مدت کے بعد اردو کا ایک پورا رسالہ دیکھنے میں آیا۔یوں ملک میں بلند پایہ رسالے اور بھی ہیں۔ان کو پڑھ کر اطمینان بھی ہوتا ہے لیکن اپنے رنگ و بو میں یکتا ہے"۔(۸)

فنون کا یہ طرہ امتیاز تھا کہ اختر الایمان، بیدی، کرشن چندر، امر سنگھ، بلونت سنگھ، فراق جیسے نامور ہندوستانی ادیبوں نے اپنی تازہ ترین تخلیقات سے شرکت کی۔ فنون نے اہل قلم کو دوبارہ ادب کی دنیا میں متعارف کرنے کے لئے ان کی فن پر تعارفی مضامین کے ساتھ متعدد تخلیقات پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ فنون کا پہلا تعارفی پرچہ بڑے نامور ادبا کی تخلیقات سے مزین تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ نئے اشاعتوں میں نئے ستارے بھی نمودار ہوتے رہے۔ فنون کو ابتدائی مراحل میں جو شہرت ملی وہ حوصلہ افزاء تھی۔ اسے لکھاریوں کے ساتھ قارین کی توجہ بھی حاصل تھی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اشاعت کے تسلسل میں بے قاعدگی آگئی جس سے اہل قلم کے ساتھ قارئین نے رد عمل کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اس کے باوجود فنون نے نامساعد حالات میں ادبی سفر جاری رکھا۔

فنون نے خاص اشاعتوں کے ذریعے ضغیم اردو غزل نمبر جاری کیا۔ یہ خاص نمبر کم وبیش اس صدی کے ۱۷ سال کا احاطہ کرتا ہے۔ اور اس میں سوا دو سو سے زائد شعرا کی غزلیات کا انتخاب پیش کیا گیا۔ جدید اردو غزل کے ساتھ فن غزل گوئی پر 26 سے زائد مقالات لکھے گئے۔ اس کے علاوہ شعراء کے حالات وواقعات کو بھی بیان کرنے کا اہتمام کیا گی فنون کے غزل نمبر کے علاوہ خاص نمبروں میں خدیجہ مستور نمبر، اقبال نمبر اور غالب نمبر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مجموعی اعتبار سے فنون نے اردو ادب کی تمام اصناف کی بیش بہا خدمت کی۔ اس نے نئے لکھاریوں کی ذوق کی آبیاری کرنے کے علاوہ ممتاز ادباء کی تخلیقات کو بھی شامل کیا۔ ترقی پسند ادب کی چھاپ پختہ ہونے کے باوجود فنون نے اعلیٰ ادبی معیار کو قائم رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔

ماہنامہ اردو زبان سرگودھا سے ۱۹۶۶ء کے اوئل میں عصمت اللہ نے جاری کیا۔ آغاز میں ملک بھر کی ادبی سرگرمیوں کا احاطہ کرنے کے ساتھ قارین کو نئے فن پاروں سے روشناس کرانے کی ذمہ داری اس پرچے کو سونپی گئی۔ وزیر آغا مستقل ادبی مسائل پر کالم لکھتے رہے۔ ۱۹۷۰ء میں اس پرچے نے پہلا ضغیم سالنامہ جاری کیا۔ جو اس سے پہلے کے دو خاص نمبروں یعنی مولانا صلاح الدین نمبر اور دفاع وطن نمبر پر بازی لے گیا۔ مگر اس کے بعد ماہنامہ اردو تعطل کا شکار ہو گیا۔ ۱۹۷۲ء میں راغب شکیب اور مسعود انور کی ادرات میں ماہنامہ اردو دوبارہ منظر عام پر آیا۔ اس دور میں وطن پرستی کے جذبات کو زیادہ فروغ دیا گیا۔ دبستان سرگودھا کی تحریک اسی پرچے سے ہی پروان چڑھی۔ راغب شکیب کے بعد اس پرچے کو پرویز بزمی مرتب کرتے رہے۔ اس دور میں متعدد خاص نمبر شائع ہوئے جس میں انشائیہ نمبر خاص طور پر پڑھے گئے۔

مجموعی طور پر اردو زبان شدید رد عمل کا پرچہ رہا، یہ ادبی معاشرے کے معائب اور محاسن کو آشکار کرنے میں گہری دلچسپی لیتا رہا۔ ان تمام خصوصیات کی بنیاد پر ماہنامہ اردو زبان ایک انوکھا نادر اور منفرد پرچہ نظر آتا ہے

قیام پاکستان کے بعد انجمن ترقی اردو پاکستان نے ۱۹۴۸ء میں اپنا نیا صحیفہ قومی زبان ہفت روزہ کی شکل میں جاری کیا۔ اس کا بنیادی مقصد قومی زبان کی ترویج وفروغ تھا۔ مولوی عبدالحق کی جب وفات ہوئی تو قومی زبان کی ادارتی تشکیل نو کی گئی۔ اس تبدیلی کے ساتھ ماہانہ پرچے کی شکل دے دی گئی۔ اس کے مدیر اعلیٰ جمیل الدین عالی اور مشفق خواجہ کو ادارت سونپ دی گئی۔ چنانچہ مدیر رسالہ نے اس کی نئی ادبی جہتوں کو قائم رکھتے ہوئے نیا عنوان نئے خزانے قائم کئے گئے۔ جس کے تحت مطبوعہ رسائل کے مضامین کا اعشاریہ پیش کیا گیا۔ مشفق خواجہ نے اس دور میں تخلیقی مزاج کو مضبوط کرنے کے ساتھ خبروں کے نظام کو بھی مستحکم کیا۔ اسی دور میں خصوصی نمبروں کی اشاعت کے علاوہ انگریزی اصطلاحات کے تراجم کا سلسلہ جاری کیا۔ ۱۹۷٤ء میں مشفق خواجہ ذاتی مصروفیات کی وجہ سے سبکدوش ہوگئے تو شبیر علی کاظمی مدیر مقرر ہوئے۔ کاظمی صاحب نے مشفق خواجہ کی قائم کردہ روشن روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔ انھوں نے مولوی عبدالحق، غالب اور اقبال کی برسیوں پر خصوصی گوشے چھاپنے کا اہتمام کیا۔ اس دور میں قائداعظم نمبر کاظمی صاحب کا نمایاں کارنامہ ہے۔ بحیثت مجموعی قومی زبان تحقیقی یا تنقیدی رسالہ تو نہیں رہا البتہ ایک مستقل نوعیت کے ادبی رسالے کی حیثیت مل گئی ہے۔ اب یہ مزید ترقیوں کی جانب گامزن ہیں۔

جولائی ۱۹۸۷ء کو ادبیات کا اجراء اسلام آباد سے اکادمی ادبیات کے زیر اہتمام ہوا۔ اس کے مدیر ضمیر جعفری جب کہ نگران اکادمی ادبیات کا صدر نشین پروفیسر پریشان خٹک مقرر ہوئے۔ ادبیات نے کم وقت میں معنوی اعتبار سے ایک جہان آباد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ بلکہ اس نے ہر طبقے کے ادیب اور ہر صنف ادب کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کی۔ تحقیق وتنقید کے زاویے سے کئی اہم مضامیں شائع کئے۔ جن میں سے غالب کی بزم خیال، قومی یکجہتی میں زبان وادب کا کردار، اردو داستانوں میں مشرقی مزاج، نظم معریٰ وغیرہ چند اہم مضامیں ہیں۔ محمد عارف قریشی لکھتے ہیں:

"ادبیات نے نئی اصناف ادب کو متعارف کرانے میں خاص دلچسپی لی۔ چنانچہ انشائیہ کے صنف میں اکبر حمیدی کا نئے موسموں کے پرندے، اور ڈاکٹر وزیر آغا کا انشائیہ دنیا خوب صورت ہے پیش کیا گیا"۔(۹)

اس رسالے نے علاقائی زبانوں کے ادب کو تراجم کے ذریعے پیش کرنے کا سلسلہ بھی شروع کیا۔یوں قومی یکجہتی کے حصول میں اور آسانی پیدا ہو گئی۔یہی وجہ ہے ادبیات کو ایک ایسی مجلس ادب کی حیثیت حاصل ہے جہاں پاکستان کی قومی اور علاقائی زبانوں کے ادیب آپس میں ملاقات اور گفتگو کر سکتے ہیں۔اب تک منظر عام پر آنے والے پرچوں میں جن ادیبوں سے ملاقات ہوئی ہے ان میں پردل خٹک (پشتو) عبدالکافی ادیب پشتو،غلام حسین ساجد پنجابی،غلام ربانی آگرد سندھی،میر مٹھا خان مری۔بلوچی،عنایت بلوچ،سندھی وغیرہ اہم ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ابرار احمد،ڈاکٹر،ادبی صحافت کا نقشِ نو پبلیشرز ندارد،ایڈیشن اول،۲۰۱۷ء،ص ٤٥

۲۔انور سدید،ڈاکٹر ،ادبی رسائل کی تاریخ،اکادمی ادبیات اسلام آباد، ۱۹۹۲ء ص ۸۰

۳۔ایضاً،ص ۳۰۱

٤۔ایضاً،ص ۳۳۱

٥۔محمد افتخار،تاریخِ صحافت،مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد،۱۹۹٥ء،ص ۷۰

٦۔قریشی،محمد عارف،ادبی وعلمی رسائل،پشاور،۱۹٦٦ء،ص ٤۷۸

۷۔انور سدید،ادبی رسائل کی تاریخ،اکادمی ادبیات اسلام آباد،۱۹۹۲ء،ص ۱۳۹

۸۔گربچن چندن،اردو صحافت پر ایک نظر،اردو اکادمی دہلی،۱۹۸٦ء،ص ٦۷٦

۹۔قریشی،محمد عارف،پاکستان میں اردو پبلیشرز ندارد،س۔ن،ص ۲۸۰